Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146
Vol. 4 No. 1 (January) (2026)

The Impact of Modernism on the 21st Century Urdu Novel

اکیسویں صدی کے اردو ناول پر ماڈرن ازم کے اثرات

Dr. Uzma Noreen*
Lecturer Urdu Department G.C Women University Sialkot. Corresponding Author Email: Uzma.noreen@gcwus.edu.pk

Abstract
After looking at the works of the first decade of the 21st century and the second half of the 20th century, it can be said that this century is the century of fiction. The themes of this century are completely different from the themes of the 20th century. The themes that were given more importance in the novels of the 20th century were romanticism, social reform, the life of the oppressed, destitute peasant and working class under the progressive movement, and the oppression and exploitation of women in society, demonstrating bold and brutal realism. Then the grief of migration as a result of the Partition of India was expressed. Then, the themes that were treated under the trend of modernity and postmodernity were escape from life, meaninglessness, helplessness, a sense of defeat, love of death, existentialism and the destruction of values. But the fiction of the 21st century and its themes are slightly different from the 20th century. This may be because today's fiction writer does not seem to be bound by any ideology, so he/she is not bound by society. And it is free to express the problems related to human life in society in every way. The way shop-like schools are being opened or are being opened in our country in the name of culture, art and reality and the kind of black marketing that is happening behind its doors, the novel raises questions on this, and the second most important but fundamental question is that of 'child labor', which is not only a domestic but also a global problem. These are some of the foundations of modernism. This article will discuss modernism in Urdu Novel.

Keywords: Urdu Novel, Modernism, 20th century, 21st century, existentialism, meaninglessness, helplessness, foundations.

اکیسویں صدی کی خواتین ناول نگاروں کی فہرست میں چند نام ایسے ہیں جنھوں نے اس ضمن میں اپنی خدمت کے ذریعے نئے نئے موضوعات کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا ہے۔ جیسے شائستہ فاخری ہیں۔ان کا اصل نام شائستہ ناز اور قلمی نام شائستہ فاخری ہے۔وہ بیک وقت ناول نگار، افسانہ نگار، شاعرہ، محقق، مترجم اور ڈراما نگار کی حیثیت سے اپنی منفرد پہچان رکھتی ہیں۔وہ ۱۹۶۳ء کو یوپی کے ایک علاقے سلطان پور میں تولد ہوئیں۔ان کی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں اور پھر اعلیٰ تعلیم الہ آباد یونیورسٹی سے مکمل ہوئی۔اسی طرح ساتھ ساتھ انھوں نے افسانہ اور ناول کی دنیا میں قدم رکھا۔وہ مختلف زبانوں جیسے سنسکرت، گجراتی اور اردو زبانوں میں اپنی تخلیقات پیش کرتی رہی ہیں۔پہلی کہانی سنسکرت زبان میں "النگن" چھپی جو ایک رومانی کہانی ہے۔اس حوالے سے ان کے والد سید محمد زاہد فاخری نے انھیں صرف اس شرط پر کہانیاں لکھنے کی اجازت دی کہ وہ اپنی تخلیقات کا اظہار اپنی مادری زبان یعنی اردو میں ہی کریں گی۔اس حوالے سے وہ اپنی ایک تحریر میں یوں رقم طراز ہیں:

> "سنسکرت پڑھنے کے لیے والد صاحب کی فراخ دلی سے اجازت تو مل گئی لیکن محض علم وادب سے میری دلچسپی کو دیکھتے ہوئے انھوں نے یہ شرط رکھ دی کہ مجھے اپنی تخلیقات مادری زبان یعنی اردو میں لکھنی ہوں

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146
Vol. 4 No. 1 (January) (2026)

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

گی۔ میں نے یہ شرط مان لی اور پوری ایمانداری اور وفاداری سے یہ شرط آج تک نبھا رہی ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ بیک وقت سنسکرت، ہندی اور اردو سے رابطے میں ہوں۔"(۱)

ان کا پہلا تخلیقی زینہ ایک ہندی کتاب "سندھی بیلا" کے عنوان سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ اس وقت وہ انٹر میڈیٹ کی تعلیم سے فارغ ہو چکی تھی۔ بہر حال وہ اپنی ناول نگاری کی وجہ سے مشہور ہیں۔ پہلا ناول "نادیدہ بہادروں کے نشان" ہے جو ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا۔ اس ناول کا موضوع حلالہ جیسا نازک موضوع ہے۔ ایک ایسی شادی جس کی اجازت مذہب نے تو دی ہے مگر اس کے چند اصول بھی ہیں۔ اس ناول میں ایک عورت کی کہانی بیان ہوئی ہے جو اپنے شوہر کی تابعداری میں کوئی کسر نہیں اٹھاتی اور اس کے ظلم و جبر اور ناانصافی کو سہہ کر بھی اس کی فرمانبرداری میں کوئی دقیقہ فروگداشت نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس ناول میں عورت کی لاچاری، بے بسی اور بے جا ظلم و زیادتی کی عکاسی باکمال انداز میں کی گئی ہے۔ مرد کی خود غرضی، انانیت، مفادیت اور حماقت کی وجہ سے خواتین کو ظلم کی بھینٹ چڑھتے دکھایا گیا ہے، ساتھ ساتھ جلد بازی میں کیے گئے فیصلوں کی کہانی بھی بیان ہوئی ہے۔ ناول کا اصل مقصد نسواں کے مسائل پر مبنی ہے۔ اس ناول کا مرکزی کردار علیزہ ہے۔ اس کا شوہر فرحان مرزا اپنی ایک چھوٹی سی غلطی اور چھوٹی سی تشکیک کی بنیاد پر اسے طلاق دیتا ہے مگر بعد میں اصلیت سے واقف ہونے پر پچھتاتا ہے۔ بعد میں علیزہ اپنے دیور سے نکاح کر لیتی ہے لیکن حلالہ کے بعد وہ دوبارہ فرحان مرزا کی منکوحہ نہیں بنتی۔ وہ دونوں مردوں سے آزاد ہو کر آزادنہ زندگی بسر کرتی ہے۔ اس طرح وہ اپنی ایک دوست ڈاکٹر تانیہ کے ذریعے سے ایک پیاری سی بیٹی علینا کو جنم دے دیتی ہے۔ اس ناول میں اس موضوع کو (ماڈرن ازم) کے حوالے سے بات کی گئی ہے کہ جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے اب انسان اپنی خواہشات کی تکمیل پر قادر ہے۔ علیزہ کا دونوں شوہروں سے آزادی کے بعد سائنسی بنیادوں پر اولاد پیدا کرنا اس بات کی بھی دلیل دیتا ہے کہ معاشرہ میں مردوں کی غیر ضروری اجارہ داری ختم کی جائے۔ اس ناول میں غیر ضروری اور جہالت پر مبنی رسموں پر طنز و تشنیع کے تیر چلائے گئے ہیں۔ عورت کی قربانی کے حوالے سے یہ اقتباس قابل توجہ ہے:

> "ایک انتظار، ایک مسکراہٹ جو محبت اور قناعت کی غماز تھی، خواہش کی تکمیل کا سورج بن کر اس وقت اس کے چہرے پر امید کی سنہری کرنوں کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ روشن تھا اور اس کی آنکھیں ہنس رہی تھیں اور اسے دیکھتے ہوئے اس کی سہیلی سوچ رہی تھی کہ عورت اور یہ دھرتی ایک دوسرے سے کتنی مشابہت رکھتی ہے۔ پیار کی ہلکی سی پھوار اور پانی کی نرم بوچھار سے کتنی جلد سیراب ہو جاتی ہے۔ عورت اور دھرتی دونوں پر ہی موسم کی شدت کا گہرا اثر پڑتا ہے۔"(۲)

ماڈرن ازم کے حوالے سے اس مصنفہ کا ایک اور ناول "صدائے عندلیب پر شاخ شب" ۲۰۱۴ء کو زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ ۳۱۰ صفحات پر مشتمل اس ناول میں ماڈرن ازم کے حوالے سے دو اہم موضوعات سروگیٹ مدر (متبادل ماں) اور NGO جیسے اداروں پر بحث کی گئی ہے۔

سروگیٹ مدر (Surrogate Mother) یعنی متبادل ماں وہ ہوتی ہے جو کسی دوسری عورت کی خاطر مصنوعی تخم ریزی کے ذریعے نطفہ قبول کر کے دوسرے کا بچہ پیدا کرتی ہے۔ وہ عورتیں جن کے ماں بننے کی راہ میں پیچیدگیاں حائل ہوتی ہیں، وہ بچہ پیدا کرنے کے لیے مخصوص فیس کے عوض کسی دوسری عورت کی کوکھ کرائے پر حاصل کر لیتی ہے۔ یہ رجحان امریکہ اور برطانیہ میں تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ چوں کہ انڈیا میں غربت زیادہ ہے اس لیے وہاں ان کی خواتین بخوبی انتہائی کم فیس پر دوسروں کے لیے اپنی کوکھ کو کرائے پر دے دیتی ہیں،

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146
Vol. 4 No. 1 (January) (2026)

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

چوں کہ برطانیہ اور امریکہ میں فی بچہ پچاس سے ساٹھ ہزار تک فیس وصول کی جاتی ہے۔ لیکن وہاں پر ایسی عورتیں کم ہی مل جاتی ہیں جو اپنی کوکھ کرائے پر دیں۔اس لیے برطانوی اور امریکی جوڑے ہندوستانی ڈاکٹروں کے ساتھ رابطہ کر کے اپنے مقاصد حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ رجحان ہندوستان میں بہت تیزی سے پھیل رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس ضمن میں ہندوستانی عورتیں انتہائی کم یعنی نو ہزار سے لے کر پندرہ ہزار تک فیس لے کر بھی راضی ہو جاتی ہیں۔ جب کہ یہ رجحان اب منفی صورت اختیار کرنے لگا ہے۔ کیوں کہ کئی غریب لوگ دو اور تین شادیاں کر کے اپنی بیویوں کے ذریعے سے اس ناجائز کاروبار سے پیسے کما رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کاروبار کی وجہ سے کنواری لڑکیاں بھی فائدہ اٹھا رہی ہیں اور یوں اس کاروبار کے لیے پورے ہندوستان میں بڑے بڑے شہروں میں کلینک کھل گئے ہیں۔اس کاروبار کی وجہ سے اگرچہ ہندوستان میں بہت سے مسائل پیدا ہو گئے ہیں مگر اس کے ذریعے سے بہت سے غریب لوگوں کا کاروبار بھی چمکنے لگا ہے۔اس لحاظ سے برطانوی جریدے ٹیلیگراف کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "بھارت میں غربت اور بے روزگاری کے سبب سروگیٹ مائیں بننے کا رجحان زور پکڑ رہا ہے۔ جس نے کنواری لڑکیوں کو بھی نہیں بخشا۔ بھارت کی ۱۰ ریاستوں میں خواتین کھیتوں میں دن بھر کام کرنے کے باوجود بڑی مشکل سے نصف ڈالر یومیہ سے اجرت کما پاتی ہیں۔ چناں چہ غربت سے تنگ بھارتی خواتین ۹ ہزار کے بجائے ۳ہزار ۴ ہزار ڈالر پر بھی دوسروں کے بچے پیدا کرنے پر راضی ہو جاتی ہیں۔ یہ رویہ امیر ممالک کی جانب سے غریب ممالک کے استحصال کا کھلا ثبوت ہے۔اب تک جن برطانوی مردوں نے کرائے کے کوکھ سے بچے حاصل کیے ہیں وہ تمام بینکر، ڈاکٹر اور اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز تھے۔اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ یہ کام طبعی مجبوریوں سے زیادہ آسانی اور سہولت کے لیے کروایا جاتا ہے۔ بھارتی حکومت نے سروگیٹ ماں بننے کے بڑھتے رجحان کے باعث قوانین میں کچھ تبدیلیاں کی ہیں۔ان قوانین کے مطابق بچے کی ولادت کے فوری بعد اس کی حوالگی پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، بچہ جننے والی عورت پر لازم ہے کہ وہ بچے کو سات ہفتوں تک اپنے پاس رکھے۔ یہ قانون برطانوی شہریوں کے لیے کافی پریشان کن ہے۔ تاہم یہ کاروبار اب بھارت میں اتنے بڑے پیمانے پر پھیل چکا ہے کہ اس کی روک تھام یا اسے قانونی دائرے میں لانا آسان نہیں ہے۔"(۳)

اب آپ اندازہ کریں کہ اس کاروبار سے امیر ممالک غریبوں کا کس قدر استحصال کر رہے ہیں۔ مثلاً کوئی عورت اچھا خاصا کماتی ہے تو اسے ضرورت کیا ہے کہ بچہ پیدا کرے اور پھر اسے نو ماہ پیٹ میں رکھے۔اس سے بہتر تو یہ ہے کہ وہ کسی کو کرایہ دے کر اپنے شوہر کا بچہ اُس کے پیٹ میں رکھے اور یوں اس جھنجھٹ سے اُس کی جان بچی رہے۔ کتنا آسان ہے نا۔

ناول میں عورتوں کے استحصال کے حوالے سے خاصی گرفت پائی جاتی ہے۔اس کہانی میں ایک بستی کا نقشہ پیش کیا گیا ہے،۔ کہانی کے کرداروں میں اچھے برے مختلف قسم کے کردار شامل ہیں جن میں ستارہ، کرینا، راشد، مرزا، کاشف اصغر اور نازنین وغیرہ شامل ہیں۔ان کرداروں کا رول اچھا، برا، اعلیٰ، ادنی، منفی اور مثبت ہر طرح کا رہا ہے، مرکزی کردار نازنین بانو"اور دوسرا اہم کردار ستارہ کا ہے۔ ان کرداروں کے ذریعے سے معاشرہ میں پروان چڑھتے ہوئے سروگیٹ مادر کے اس مسئلے کو پوری چابک دستی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، سروگیٹ مدر اب ایک NGO کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ جو اب ایک مشغلہ بن گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے یہ غریب، لاچار اور بے بس

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146
Vol. 4 No. 1 (January) (2026)

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

عورتوں کے ذریعے چلایا جاتا تھا مگر اب اس میں نچلے طبقے کی زیادہ تر خواتین جسم فروشی کی شکل میں اپنی کوٹھ کرائے پر رکھ کر اس کا باقاعدہ معاوضہ وصول کرتی ہیں اور یہ مشغلہ اب ایک باقاعدہ فیشن بن گیا ہے۔اس کا معاوضہ ادا کرنے والے معاشرے کے باعزت اور عالی شان حویلیوں والے مرد ہیں جو رات کے اندھیرے میں اپنی خواہشات کی ناجائز تکمیل کے ذریعے خود کو تسکین بھی پہنچاتے ہیں اور دن کی روشنی میں اس ادارے (NGO) اور اس سے جڑے لوگوں کو ذلیل و خوار بھی کرتے ہیں۔اس ناول میں انھی مسائل کو طشت از بام کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے معاشرے میں بے حیائی پھیل رہی ہے۔مثال کے طور پر یہ اقتباس دیکھیں:

"رکیے میڈم ابھی ہماری ملاقات ادھوری ہے۔آیئے اندر آیئے" ستارہ نے اپنے جسم سے پھسلتے تولیے کو ایک ہاتھ سے سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے مجھے کلائی سے کھینچ کر اندر کمرے میں گھسیٹ لیا۔اندر کا مرکز میرے لیے روز محشر سے کم نہ تھا۔نسے کی حالت میں دھت کشوستارہ کے بستر پر تھا۔اس کے جسم پر ایک بھی کپڑا نہیں تھا۔اس کے ننگے بدن کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے کوئی ہوا نکلا ہوا غبارہ مرجھایا ہوا گر پڑا۔"(۴)

اوپر کے اقتباس میں مصنفہ نی انتہائی کھلے ڈھلے انداز میں معاشرے میں پھیلی ہوئی بے حیائی اور لچر پن سے پردہ اٹھایا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شائستہ فاخری ایک آزاد خیال، بے باک، حوصلہ منداور کھلے ذہن کی مالکہ ناول نگار ہیں۔وہ سچی اور کھری باتیں دوٹوک انداز میں کہنے پر قادر ہیں۔ان کے بارے میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے الفاظ یہ ہیں:

> "شائستہ فاخری نے زندگی کے سچ کو اتنے مختلف النوع جہتوں سے پیش کیا ہے کہ یقین نہیں ہوتا اور معاشرے کا سچ کتنی ملاوٹوں کے ساتھ برسرپیکار ہے۔اس سچ کا تعلق ہر طبقہ سے وابستہ افراد کے انفرادی ،اجتماعی اور معاشرتی رویوں اور مسئلوں سے ہے۔یہ افرد امرد بھی ہیں اور عورت بھی۔لیکن عورت ان کے یہاں حاوی کردار یا موضوع بن کر سامنے آئی ہے۔عورتوں کو اندرون خانہ اور بیرون خانہ کس طرح کی صورتِ حال کن کن داخلی اور خارجی مسئلوں، پدری نظام میں کن کن پر خطر راستوں اور کیسے کیسے پاافتادہ رویوں سے گزرنا پڑتا ہے، یہ ان کے ناولوں کے خصوصی موضوعات ہیں۔ان کے ناولوں میں عورت کی بیچارگی اور مجبوری کے ساتھ ساتھ بیداری اور (آزادی نسوں کی بھی آوازیں ملتی ہیں)۔"(۵)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شائستہ فاخری کے افسانے اکیسویں صدی کی ایک توانا اور دلیر لکھاری ہیں جو اپنے ناولوں مین ہندستانی معاشرے کی عورت کے استحصال کو بلاخوف و تردد پیش کرتی ہیں۔اکیسویں صدی کی خواتین ناول نگاروں نے ماڈرن ازم کے رجحانات کو اپنے ناولوں میں پیش کرنے والیوں میں ایک اور اہم نام نسترن احسن فتیحی کا بھی ہے۔انھوں نے اپنی تعلیم مساعی کو پی ایچ ڈی تک پھیلایا ہوا ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ بیک وقت افسانہ نگار، ناول نگار، نقاد، مترجم اور ایک آن لائن رسالے "دیدبان" کی مدیرہ بھی ہیں۔ان کا کا پی ایچ ڈی اردو کا مقالہ "ایکو فیمنزم اور عصری تانیثی افسانے" ہے۔ان کے بارے میں معروف فکشن رائٹر غضنفر لکھتے ہیں:

> "پچھلے پندرہ بیس برسوں میں جن چند خواتین فکشن نگاروں نے صفحۂ قرطاس پر اپنے تخلیقی خون کی گردش کا رنگ دکھایا اور اہل نقد و فن کو متوجہ کیا ان میں نسترن احسن فتیحی بھی ایک ہیں۔نسترن احسن فتیحی نے یوں تو کامیاب اور قابل قدر افسانے بھی لکھے مگر جس فن پارے نے نگاہوں میں اپنا عکس گہرا کیا وہ ذہن و دل میں محسوسات و مشاہدے کا لہو اتارنے میں کامیاب ہوا وہ ان کا ناول "لفٹ" ہے۔"(۶)

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146
Vol. 4 No. 1 (January) (2026)

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

اس ناول میں نسترن احسن فتیحی نے جدید دور کی ماڈرن روایات کو صفحۂ قرطاس پر بکھیرتے ہوئے کرپشن اور ریزرولیشن کو مرکزی موضوع بنایا ہے۔اس ناول کو اگر "یونیورسٹی کیمپس ناول" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔اعلیٰ تعلیمی اداروں میں کرپشن اور بدعنوانی کے حوالے سے یہ ناول ایک خاص پہچان رکھتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ اگر ہمارے اعلیٰ تعلیمی مراکز میں بھی کرپشن اور بدعنوانی جیسی لعنتیں فروغ پا جائیں تو پھر کسی سے کیا گلہ کیا جائے؟ناول کا مرکزی کردار "آرجے ورما" ہے۔اس ناول کے بارے میں مصنفہ کے خیال یہ ہیں:

> "یہ کہانی کسی فردِ واحد کی کہانی نہیں ہے۔یہ کہانی تو وقت کی ہے اور اس کا مرکزی کردار بھی وقت ہے۔ شاید وقت سے زیادہ کوئی اہم نہیں۔یہ ناول بدلتے وقت کی اہمیت کا احساس دلانے کی ادنی سی کوشش ہے۔"(۷)

کہانی میں ایک کردار وجئے ورما یونیورسٹی میں پروفیسر ہے جب کہ دوسرا کردار نیک رام ہے جو کلرک کے عہدے پر فائز ہے۔وجئے ورما ایک نہایت اصول پرست، ایمان دار، انصاف پسند اور مخلص انسان ہے جب کہ دوسری جانب نیک رام کی شکل میں ہمارے سامنے ایک ایسا کردار سامنے آجاتا ہے جو بے حد چاپلوس، مکار، خود غرض اور مفاد پرست کلرک ہے۔وہ ہر قسم کی ہیرا پھیری اور جعل سازی کا ماہر ہے۔انھی خصوصیات کے بل بوتے پر وہ اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ مختلف اعلیٰ عہدوں سے ہوتے ہوئے شیخ الجامعۃ کا (VC) بن جاتا ہے جب کہ وجئے رام اپنی اصول پسندی کی وجہ سے وہی کا وہی رہ جاتا ہے۔دراصل اس ناول میں مصنفہ یہ بتا رہی ہیں کہ جس طرح آج کل کے زمانے میں لوگ سائنس و ٹیکنالوجی کی دنیا میں ایک بٹن کے ذریعے اعلیٰ سے اعلیٰ سہولت حاصل کر لیتے ہیں اور اس طرح ہر قسم کی جعل سازی اور ہیرا پھیری سے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ حاصل کر لیتے ہیں اور لالچ و مکاری کے بل بوتے پر آسمانوں میں اڑنے لگتے ہیں۔وہ دلالی اور رشوت خوری کے ذریعے سے ہر ایک کی آنکھ کا تارا بن جاتے ہیں۔کیوں وہ اپنی خباثتوں کو ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں۔اس طرح پورے معاشرے پر اثر پڑتا ہے اور پورا سماج رشوت خوری، سیاسی و معاشی چاپلوسی اور گھناؤنی سازشوں کے ذریعے جائز و ناجائز کی تمیز کو بالائے طاق رکھ کر حق و باطل، کج و راست اور ادنی و اعلیٰ کے ساتھ عالم اور جاہل کے درمیان امتیاز کو بھی پوری طرح ختم کر چکے ہیں۔ہر سرکاری ادارے میں کرپشن اور ریزولیشن کو ہی دین ایمان سمجھا جاتا ہے۔ایسے لوگ وقتی مفاد حاصل کرنے کے لیے کسی بھی سطح تک جانے سے گریز نہیں کرتے اور ہر قسم کا جائز و ناجائز حربہ استعمال کرنے کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔یہ لوگ اپنا الو سیدھا کرنے کے کسی بھی حد کو پھلانگ سکتے ہیں۔

نسترن احسن فتیحی کے ناول "لفٹ" کا یہی لبِ لباب ہے کہ تعلیمی اداروں میں ایسے افراد آجاتے ہیں جو اس ادارے کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔اگر آج کی یونیورسٹیوں کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو ہر جگہ ایسے ہی مفاد پرست اور بے ضمیر لوگ پائے جاتے ہیں اور ان میں صرف کلرک نہیں بلکہ ایسے پروفیسر بھی ہوتے ہیں جو کرپشن اور بے ایمانی میں کسی سے کم نہیں ہوتے۔ایسے لوگ سفارش کلچر کی پیداوار ہوتے ہیں اور دوسروں کی خامیوں سے بھرپور اور ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔اکیسویں صدی کی خواتین ناول نگاروں میں ایک اور اہم نام غزالہ قمر اعجاز کا ہے۔غزالہ قمر صاحبہ سائنسی پس منظر رکھنے والی مصنفہ ہیں۔ایم ایس سی کرنے کے بعد ادب کی طرف رجحان بڑھا تو ایم اے (اردو) اور پھر پی ایچ ڈی بھی اسی مضمون میں کر لی ہے۔ساتھ ساتھ وہ ادبی رسائل میں اپنی تخلیقات شامل کرتی رہتی ہیں۔اُن کی تحریریں "پاکیزہ"، "آنچل" اور "شمع" میں اشاعت پذیر ہوتی رہی ہیں۔ان کا ایک افسانوی مجموعہ "چاند میرا ہے" اور ناول "قطرے پہ گہر ہونے تک" ہے۔

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146
Vol. 4 No. 1 (January) (2026)

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

"قطرے پہ گہر ہونے تک" میں تعلیم یافتہ خواتین کے مسائل ہیں جن میں حقوقِ نسواں اور مسائل نسواں کے حوالے سے خاصا مواد پایا جاتا ہے۔اس ماڈرن دور میں جو خواتین سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود نامساعد حالات سے دوچار ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ مختلف النوع مسائل اور استحصال کا ماحول روا رکھا جاتا ہے۔ہر کسی کے اپنے اپنے مسائل ہیں۔کوئی ازدواجی زندگی میں اپنے شوہر کی وجہ سے عذاب کی زندگی گزار رہی ہے تو کسی کو رشتے کے انتظار میں بیٹھنا پڑتا ہے۔غرض آج کل کی لڑکیاں ہزاروں مسائل کا شکار ہیں۔ان کی ماڈرن معاشرہ میں گزری ہوئی زندگی عذاب سے پر ہوتی ہے اور وہ اپنے حقوق کی خاطر لڑ رہی ہیں،اس طرح ان کے خواب چکنا چور ہوتے رہتے ہیں۔ناول سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> "کیا کھیتوں میں کام کرنے والی عورت آج کی اس عورت کا Rustic روپ نہیں ہے جو غیر ذمہ دار مرد کی موجودگی میں گھر کی گاڑی کھینچنے کے لیے روز بسوں اور آٹوں کے دھکے کھانے کے لیے مجبور ہے۔ یہ کسی داستان کا حصہ نہیں بلکہ ایک نئے پیرائے میں اور ایک نئے کور میں کھڑی وہی عورت ہے جہاں تمہید بدل جاتی ہے۔ مگر موضوع وہی رہتا ہے۔۔۔درد بھی وہی ہے۔۔۔۔ غم بھی وہی ہے۔۔۔۔احساسات بھی وہی ہیں۔۔۔پہلے بھی انھیں محسوس کرنے والا کوئی نہیں تھا اور آج بھی وہی ہوتا ہے۔اپنے شکستہ وجود کو کھینچنا۔۔۔ڈھکیلتی۔۔۔ گرتی۔۔۔۔اٹھتی۔۔۔روز مرتی۔۔۔۔مگر پھر بھی جینے کے لیے مجبور۔"(۸)

ایک اور اقتباس میں عورت کے احساسات کو یوں بیان کیا گیا ہے:

> "کائنات کا وجود ہم سے ہی ہے۔۔۔ہم ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہیں۔پھر بھی ہماری کوئی وقعت نہیں۔ کوئی حقیقت نہیں۔۔۔ کوئی حیثیت نہیں۔۔۔اور اگر ہے تو یہ کون طے کرے گا۔۔۔وہ۔۔۔۔ہم۔۔۔یہ سماج۔۔۔۔یا پھر۔۔۔۔۔"(۹)

یہی وجہ ہے کہ اس صنف کو ہمیشہ سے کش مکش کا ہی سامنا رہا ہے۔

اکیسویں صدی کی ناول نگار خواتین میں سے ایک اور اہم نام خشنودہ نیلوفر کا بھی ہے جو اپنی تخلیقات کی انفرادیت کی وجہ سے اپنی ایک مخصوص پہچان رکھتی ہیں۔ان کا ناول "اوٹرم لین" جیسا کہ نام سے ہی ظاہر کہ یہ جدید ماڈرن زمانے کے مسائل پر مبنی ہے۔جدید دنیا کے رجحانات کی وجہ سے ہمارے جوانوں کے مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے۔"اوٹرم لین" ایک مخصوص علاقہ ہے جہاں ہندوستان کے ہر کونے سے نوجوانانِ قوم اپنے خوابوں کی تعبیر کے لیے سفر کر کے آتے ہیں۔ویریندر داس ناول کا مرکزی کردار ہے جو اپنے والدین کا بڑا بیٹا ہے اور خاصا تیز طراز اور دانش مند نوجوان ہے۔وہ اور اس کے کئی دوست اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے یو پی ایس سی (سول سروس) کی تیاری کر کے امتحان بھی دے دیتے ہیں۔وہ مختلف قسم کے انسٹی ٹیوٹ میں تربیت حاصل کرنے کے بعد بھی اس امتحان میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔اس کے کئی دوسرے ساتھی بھی اس طرح کے مختلف پرائیویٹ اداروں سے تربیت حاصل کرنے کے باوجود ناکام ہو جاتے ہیں۔اس امتحان کے بارے میں اور اس سے وابستہ سینٹرز کے بارے میں مصنفہ ناول میں یوں لکھتی ہیں:

> "یو پی ایس سی اپنا کام اتنا خفیہ کرتی تھی کہ نتیجہ آنے تک ایک دن پہلے تک خود ٹاپرس کو بھی نہیں معلوم رہتا تھا کہ وہ کل ٹاپ کر رہا ہے۔اس تک سب سے پہلے پہنچ جانے کی لائن میں تمام کوچنگ انسٹی ٹیوٹ ایڑی چوٹی کا زور لگاتے تھے۔ صبح نمودار ہونے سے پہلے ان کے ساز و سامان ٹاپرس کے دروازے تک پہنچ

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146
Vol. 4 No. 1 (January) (2026)

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

چکے ہوتے تھے۔ کیوں نہ ہو، آخر میں اگلے سال کا لائحہ عمل تیار ہوتا تھا۔ اگلے سال کو چنگ انسٹی ٹیوٹ میں بچوں کی بھیڑ ان کے اسی رسوخ کا عمدہ پھل سمجھی جاتی تھی۔"(۱۰)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آج کے اس ماڈرن زمانے میں مقابلے کے امتحانات پاس کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے۔ اوپر سے یہ مختلف قسم کے انسٹی ٹیوٹ اس کے نصاب میں اپنی طرف سے ایسی ایسی مشکلات اصطلاحات شامل نصاب کر دیتے ہیں ان کو حل کرنا ہر طالبِ علم کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ ساتھ ساتھ ان کے حوالے سے بھی ایسی ایسی خبریں چلاتا ہے۔ گویا یہ امتحان ہر نوجوان کی زندگی کا ایک خواب بن جاتا ہے اور اُسے پاس کرنا اپنا انتہائی اہم فریضہ سمجھنے لگتے ہیں۔ اس طرح ان کی پوری زندگی انھی امتحانات کی تیاری میں لگ جاتی ہے۔ مگر پھر بھی پاس نہیں کر پاتے اور یوں مایوسیوں کا شکار ہو کر معاشرے کے لیے ناکارہ پرزے بن جاتے ہیں۔ پھر یا تو مایوسیوں کی حالت میں نشے کا شکار ہو جاتے ہیں یا جرائم پیشہ افراد کے ساتھ شامل ہو کر ملک و قوم کے دشمن بن جاتے ہیں۔

یوں مجموعی طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہم اکیسویں صدی کی خواتین ناول نگاروں کے ہاں ماڈرن معاشرہ کی وجہ سے زوال پذیر اقدار پر نوحہ کناں ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ شائستہ فاخری، شائستہ فاخری سے ادبی مکالمہ، مصاحبہ گو، افتخار امام صدیقی، ماہنامہ رسالہ، شاعر ممبئی، ۲۰۱۲ء، ص ۱۶

۲۔ شائستہ فاخری، نادیدہ بہادروں کے نشان، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۳ء، ص ۹

۳۔ ہر دل کمار، سروگیٹ مدر، سنڈے ٹیلی گراف، ۱۴ جنوری ۲۰۱۴ء

۴۔ شائستہ فاخری، صدائے عندلیب پر شاخ شب، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۴ء، ص ۲۸۵

۵۔ گوپی چند نارنگ، شائسہ فاخری کے افسانے، مشمولہ، شعر و حکمت، مکتبہ شعر و حکمت، حیدر آباد، ۲۰۱۱ء، ص ۶۹۷

۶۔ نسترن احسن فتیحی، لفٹ، فلیپ کور، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۷ء

۷۔ نسترن احسن فتیحی، لفٹ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۷ء، ص ۷

۸۔ ایضاً، ص ۱۵۹

۹۔ غزالہ قمر اعجاز، قطرے پہ گہر ہونے تک، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۶ء، ص ۱۱۸

۱۰۔ خشنودہ نیلوفر، اوٹرم لین، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۰ء، ص ۹۶